قرآنی فلسفۂ عروج وزوال-اثرات ونتائج

ڈاکٹر ارشد منیر ☆

ڈاکٹر نسیم اختر ☆☆

History proves us that Nations raise and falls. The main thing is what lessons we may obtain from history and from scriptures. Why do nations decline and fall and what are the causes of down fall of great Nations? History has proved, time and again, that a nation's moral condition and its character are key to its survival. According to Holy Quran, the rise and fall is a test for a Nation for its examination and evaluation. The Holy Quran considers the lust and love for accumulation of wealth, lack of self confidence, disobedience of God, lack of discipline, no emphasis on enjoining good and prohibiting evils etc: the causes of the downfall of Muslims. This paper is discussing and analyzing the above mentioned causes of downfall and its consequences

قرآن مجید کا موضوع انسان ہے پس وہ تمام نوع انسانی کیلئے آیا ہے۔ اسکے احکامات، پند ونصائح اور تعلیمات وقتی مقامی یا عبوری نہیں بلکہ عالمگیر ہیں۔ بے شک وہ اکثر باتیں ایسی کہتا ہے جو ایک مخصوص معاشرے کے مذاق، ماحول، تاریخ اور رسم ورواج سے ربط وتعلق رکھتی ہیں، لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ انہی دلائل اور طرز استدلال کو ہم ہر زمانے کے انسانوں کے لئے اور خفیف سی کمی بیشی کیساتھ ہر وقت اور ہر جگہ کام میں لا سکتے ہیں۔ چنانچہ آج انفرادی طور پر مسلمانوں کی اور اجتماعی طور پر اسلامی معاشرے اور ریاست کی زوال پذیری، شکست خوردگی اور انحطاط کا مطالعہ کرنے کے بعد جب قرآن حکیم کی طرف رجوع کرتے ہیں تو ایک ایک آیت، حکم یا قصہ اور واقعہ ہمارے حالات، واقعات اور مسائل سے عین مطابقت رکھتا ہے پھر قرآن عظیم انکا سبب بتاتے ہوئے انکا حل بھی ہمارے سامنے واضح انداز میں بیان کرتا ہے اور ساتھ ہی یہ حقیقت بھی باور کراتا ہے کہ صرف قرآنی علاج اور حل ہی اُمت مسلمہ کی کامیابی اور نفع کا ضامن ہے۔ اِس صراط مستقیم کے علاوہ چونکہ ہر طریقہ اور علاج انسانی افکار کا نتیجہ ہے، سو فتح اور نفع کی ضمانت یقینی نہیں ہے اسکی مختصر دلیل وہ یوں بیان فرماتا ہے "انّه الحقُّ من ربهم" (۱)

عروج وزوال دکھانے کی وجہ

اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کو قیامت تک آنے والے انسانوں پر نگران اور گواہ مقرر کیا ہے۔

* لیکچرار، غازی یونیورسٹی، ڈیرہ غازی خان۔

** اسسٹنٹ پروفیسر، شہید بینظیر بھٹو وومن یونیورسٹی، پشاور۔

وکذلک جعلنکم امتہ وسطاً لتکونو اشھدآء عُلی الناس (۲) تا کہ وہ دنیا کی قوموں کے درمیان صدر کی حیثیت رکھتے ہوئے توسط کی روش کو قائم رکھے اور فکر صحیح، عمل صالح اور نظام عدل کی تعلیم کا عملی نفاذ کرے، پس اس منصب عظیم کے لئے اہل افراد کی ضرورت ناگزیر ہے جسکا تعین امتحان کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ دنیا میں قوموں پر آنے والے عروج وزوال کے ذریعے اہل افراد (نگران اور گواہ) کا تعین کرتا ہے اور پھر انہیں کے ذریعے دنیا وآخرت کے بارے میں کئے گئے وعدوں کی تکمیل کرتا ہے۔

وتلک الایام نداولھابین النّاس ولیعلم الذین اللہ امنو اویتّخذمنکم شھدآء ط واللہ لا یحّب الظالمین (۳) (یہ تو زمانے کے نشیب وفراز ہیں جنہیں ہم لوگوں کے درمیان گردش دیتے رہتے ہیں تُم پر یہ وقت اس لئے لایا جاتا ہے کہ اللہ دیکھنا چاہتا تھا کہ تم میں سچے مومن کون ہیں اور ان لوگوں کو چھانٹ لینا چاہتا ہے جو واقعی گواہ ہوں باقی رہے ظالم تو اللہ انہیں پسند ہی نہیں کرتا)

سید قطب شہید اس آیت کی تفسیر بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں " کشادگی کے بعد سختی اور سختی کے بعد کشادگی وہ حالات ہیں جو نفس انسانی کی خفیہ صلاحیتوں کو اُبھارتے ہیں اس سے لوگوں کے مزاج معلوم ہوجاتے ہیں اور یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ کون نظریاتی لحاظ سے پاک ہو چکا ہے اور کس میں نظریاتی میل کچیل موجود ہے کون ہے جو جلد باز ہے اور کون ہے جو ثابت قدم ہے کون ہے جو مایوسی کا شکار ہوتا ہے اور کون ہے جسے اللہ پر مکمل بھروسہ ہے (۴) پس فتح وکامرانی اور شکست وہزیمت ایسے ہی بے سبب نہیں ہوتے پھر وہ ان اسباب کو مدنظر رکھتے ہوئے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں مزید راسخ ہوں، توکل اور بھروسہ میں زیادہ ہوں اور اسلامی نظام زندگی کے مزاج اور اسکے فرائض سے حق الیقین کیطرح واقف ہوں۔

دورزوال وانحطاط آزمائش امت ہوتا ہے:

یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ رب کائنات کے نزدیک دنیا میں عروج وزوال کا مقصد کھرے اور کھوٹے کو ممیّز کرنا ہے اس لئے جب کبھی اُمت مسلمہ پر آزمائش یا بُرا وقت آن پڑے تو اس سے دلبرداشتہ نہیں ہونا چاہیے۔ قرآن حکیم اس پر دال ہے کہ:

"ولنبلو نکم بشیءٍ من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات وبشر الصابرین " (۵) (اور ہم ضرور تمہیں خوف وخطرہ، فاقہ کشی، جان ومال کے نقصانات اور آمدنیوں کے گھاٹے میں مبتلا کرکے تمہاری آزمائش کریں گے ان حالات میں صبر کرنے والے مبارکباد کے مستحق ہیں)

سید قطب آزمائش کی اہمیت اور افادیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں " آزمائش بہت ضروری ہے اس سے

نظریاتی لوگوں کی قوت میں اضافہ ہوتا ہے انکی کمر مضبوط ہوتی ہے، مصائب وشدائد سے ان کی خفیہ قوتیں جاگ اُٹھتی ہیں ذخیر شدہ طاقتوں کے لئے چشمے پھوٹ پڑتے ہیں، دل کے دریچے کھل جاتے ہیں اور دل میں ایسے چشمے اُبل پڑتے ہیں جنکے بارے میں ان مصائب وشدائد سے پہلے مومن کو گمان بھی نہیں ہوتا، اسلامی اقدار اور تصورات اس وقت تک پختہ اور سیدھے نہیں ہو سکتے جب تک انہیں شدائد ومصائب کی بھٹی سے نہ گزارا جائے، یہ مصائب کا ہی نتیجہ ہوتا ہے کہ کارکنوں کی آنکھیں روشن ہو جاتی ہیں اور دلوں سے میل دور ہو جاتا ہے۔(۶) آیت ھذا اس بات کی بھی دلیل ہے کہ دُکھ سُکھ، غم وخوشی اور امارت وغربت کا اصل مقصد انسانوں کی آزمائش ہوتا ہے، نا کہ طبقات قائم کرنا، اور جب کبھی بھی مال ودولت اور درجات میں کسی کو بلندی عطا کی گئی تو وہ بھی ایک آزمائش کا طریقہ ہوتا ہے نا کہ سبب فضیلت۔ **وھو الذی جعلکم خلٓئفَ الارض ورفع بعضکم فوق بعضٍ درجٰت لیبلو کم فی مآ اٰتکم** (۷) ترجمہ (وہی ہے جس نے تم کو زمین کا خلیفہ بنایا اور تم میں سے بعض کو بعض کے مقابلہ میں زیادہ بلند درجے دیئے تا کہ جتنا بھی تم کو دیا گیا ہے اُسکی آزمائش کی جاسکے۔)

بحیثیت قوم جب امت مسلمہ زوال کا شکار ہوتی ہے یا اسے شکست کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو اس کا مطلب کبھی بھی باطل کی فتح نہیں ہوتا بلکہ اس سے بھی اللہ تعالیٰ مومنین کی آزمائش چاہتا ہے۔ جنگ احد میں جب مومنین پر پریشانی آئی تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا" **ویبتلی اللہ ما فی صُدور کم و لیمحصّ ما فی قلوبکم واللہ علیم بذات الصدور** "(اور یہ جو معاملہ پیش آیا تو یہ اس لیے تھا کہ جو کچھ تمہارے سینوں میں پوشیدہ ہے اللہ اسے آزمالے اور جو کھوٹ تمہارے دلوں میں ہے اسے چھانٹ دے، اللہ دلوں کا حال خوب جانتا ہے)(۸) آیت ھذا اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ظاہری شکست، ہزیمت یا پریشانی مومنین کا امتحان ہوتی ہے، اور ساتھ ہی ٹریننگ بھی، کہ جب بھی ایسا دور یا وقت آجائے تو مایوس نہیں ہونا چاہیے بلکہ ذہنوں اور دماغوں کے خلیے تک کھول کر سبب تلاش کرنا چاہیے، اور پھر توکل، بھروسہ اور صبر کے ساتھ آزمائش کی منازل طے کر کے اس منزل کو چُھونا چاہیے کہ جہاں اللہ کی مدد تیار بیٹھی ہو۔ یہاں سے مومنین کی کامیابی کا آغاز ہوتا ہے اور اُس وقت تک رہتا ہے جب تک اللہ کی مدد برقرار رہے، لیکن آزمائش کے دور میں اگر مومنین دلبرداشتہ ہو جائیں اور امتحانی منازل طے کیے بغیر اللہ کی مدد کے طالب بنے رہیں اور شدائد ومصائب سے گھبرا اُٹھیں تو انعام واکرام، فتح وکامرانی اور عروج وکامیابی کی منزل کا حصول مشکل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ بُرے حالات و واقعات میں دلبرداشتہ اور مایوس نہیں ہونا چاہیے اور پریشانی اور مشکل وقت کو امتحان تصور کرتے

ہوئے اسلامی روایات اور طرز کے ساتھ آگے بڑھنا چاہیے، سورۃ بقرہ میں ارشاد ربانی ھے "ام حسبتـــم ان تدخلواالجنة و لما یا تکم مثل الذین خلوا من قبلکم مسّتهم ُالباسآ ءُ و الضرّآ ءُ و زلزلو ا حتّـی یـقول الرسول والذین امنو معه متی نصر الله الآ ان نصر الله قریب (پھر کیا تم لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یونہی جنت کا داخلہ تمہیں مل جائے گا حالانکہ ابھی تم پر وہ سب کچھ تو گزرا ہی نہیں جو تم سے پہلے ایمان والوں پر گزر را تھا۔ان پر سختیاں کی گئیں مصیبتیں آئیں، ہلا مارے گئے حتیٰ کہ وقت کا رسول اور اس کے ساتھی اہل ایمان تک چیخ اُٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی اس وقت انہیں تسلی دی گئی کہ بہت جلد اللہ کی مدد آئے گی)(۹) یہاں جنت کے معانی کامیابی خوشحالی ترقی اور مجموعی طور پر عروج لیے جایئں تو بات واضح ہو جاتی ہے کی آسائش کا حصول آزمائش کے بغیر ناممکن ہے۔چنانچہ مصیبتوں اور سختیوں کو عارضی سمجھنا چاہیے اور امتحان کے لیے اپنے آپ کو تیار رکھنا چاہیے پھر جیسا امتحان ہوگا ویسا اکرام ملے گا۔

اسباب زوال اُمت

خیر اُمت اور وسط امت کا منصب اور لقب عطا کرنے کے بعد امُت مسلمہ کو اللہ تعالیٰ کے امر تشریعی سے اقوام عالم کی رہنمائی اور نوع انسانی کو خدا پرستی اور نیکی کے راستے پر چلانے کی ذمہ داری سونپی گئی۔جب کبھی بھی مسلم قوم نے ان ذمہ داریوں کو پورا کیا اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوشخبری اور نصرت کی نوید آئی وگرنہ ذلت اور شکست مقدر بنی۔قرآن حکیم وضاحت کے ساتھ وہ اسباب بیان کرتا ہے جس کی وجہ سے اُمت مسلمہ بگاڑ، زوال اور شکست کی طرف دھکیل دی جاتی ہے۔اختصار کے ساتھ ان میں سے چند کی نشان دہی درج ذیل ہے۔

عمل باالقرآن سے غفلت

قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کی طرف سے رہنمائی کرنے والی سب سے آخری کتاب ہے یہی ایک روشنی ہے جو اُمت مسلمہ کو اندھیروں سے نجات دلا سکتی ہے اور ذریعہ کامیابی و کامرانی بن سکتی ہے ارشاد ربّانی ہے۔قد جاء کـم من الله نور و کتاب مبین 0یهـدی بـه الله من اتبع رضوانه سبل السّلٰم و یخرجهم من الـظـلـمت الی النورّ با ذنه ویهدیهم الی صراط مستقیم. ترجمہ:(تمہارے پاس اللہ کیطرف سے روشنی اور ایک ایسی حق نما کتاب جسکے ذریعے سے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو اسکی رضا کے طالب ہوں سلامتی کے طریقے بتاتا ہے اور اپنے اذن سے ان کو اندھیروں سے نکال کر اجالے کی طرف لاتا ہے اور صحیح راستے کی

طرف ان کی راہنمائی کرتا ہے۔(۱۰) اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے سید مودودی رقمطراز ہیں "سلامتی سے مراد غلط اندیشی اور غلط کاری سے بچنا اور اس کے نتائج سے محفوظ رہنا ہے جو شخص اللہ کی کتاب اور اسکے رسولؐ کی زندگی سے روشنی حاصل کرتا ہے اُسے فکر وعمل کے ہر چوراہے پر یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ وہ کس طرح ان غلطیوں سے محفوظ رہے(۱۱)

امر بالمعروف ونہی عن المنکر سے غفلت

یہ ایک حقیقت ہے کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر ایک ایسا فریضہ ہے جسکا مزاج لوگوں کی ذاتی مصلحتوں، مفادات، غرور اور کبریائی سے ٹکراتا ہے۔ بہت سے طبقات اسکی مشقتیں برداشت کرنے کی ہمت نہ رکھنے کی وجہ سے اسے مصیبت سمجھتے ہیں بعض ایسے ہوتے ہیں جنہیں صراط مستقیم اچھا ہی نہیں لگتا ایسی صورت میں اسلامی نظام حیات اس بات کا متقاضی ہے کہ امت مسلمہ میں ضرور ایک ایسی جماعت ہر وقت موجود ہونی چاہیے جو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دے۔امت کے پاس ایک ایسا اقتدار اعلیٰ ہو جو دعوت الی الخیر کے نصب العین پر قائم ہو اور اسکا اہم مقصد دفعیہ شر ہو۔اس پر یہ آیت دال ہے "**ولتکن منکم امة یدعون الی الخیر و یا مرون باالمعروف و ینھون عن المنکر واولٓئک ھم المفلحون** "ترجمہ(تم میں کچھ جوگ تو ایسے ضرور ہی رہنے چاہئیں جو نیکی کی طرف بلائیں، بھلائی کا حکم دیں اور برائی سے روکتے رہیں جو لوگ یہ کام کریں وہی فلاح پائیں گے)(۱۲) پس اُمت مسلمہ کے اندر یہ روح ہونی چاہیئے کہ جہاں وہ برائی کو برداشت نہ کرے وہاں نیکی اور بھلائی کے لیے تڑپنے والی ہو اسے اپنے اور دوسرے لوگوں کے احوال سے غیر متعلق نہ ہونا چاہیے بلکہ نیکی کی راہ پر چلنے کے لیے اُکسانے اور بُرائی سے دور رہنے کی تلقین کرے۔ترقی، کامیابی، خوشحالی اور عروج کی یہ ایک بہت بڑی صورت ہے اگر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا دامن چھوڑ دیا جائے تو صرف اور صرف ناکامی ہی اُمت مسلمہ کا مقدر ٹھہرتی ہے۔مولانا وحید الدین خان امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں "یہ ایک منصب ہے جسکا تقاضہ ہے کی امت اللہ کی سچی مومن بنے وہ دنیا کو بھلائی کی تلقین کرے اور ان چیزوں سے باخبر کرے جو اللہ کے نزدیک بُرائی کی حیثیت رکھتی ہیں۔ یہ کام چونکہ خدائی کا کام ہے اس لیے خدا نے اسکے ساتھ اپنا تحفظاتی نظام بھی شامل کردیا ہے جو لوگ اس کار خداوندی کے لیے اُٹھیں گے انکے لیے خدا کی ضمانت ہے کہ انکے مخالفین انکو معمولی اذیتوں کے سوا کوئی حقیقی نقصان نہ پہنچاسکیں گے تاہم اس منصب حق پر سرفراز کئے جانے کے بعد جو لوگ بدعہدی کریں انکی سزا اسی دنیا میں اسی طرح شروع ہوجاتی ہے کہ انکو ذاتی عزت وسرفرازی سے

محروم کر دیا جاتا ہے خدا کی رحمتوں سے محرومی کی وجہ سے انکی بے حسی اتنی بڑھ جاتی کہ وہ ان لوگوں کی جان کے درپے ہو جاتے ہیں جو انکی کوتاہیوں کی طرف متوجہ کرنے کے لیے اُٹھیں۔(۱۳)

امامت کے اختیارات کا غلط استعمال

اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم میں **کنتم خیر امة اخرجت للناس** (اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدائیت و اصلاح کی لیے میدان میں لایا گیا) (۱۴) کہ کر واضح فرمایا کہ دنیا کی امامت و رہنمائی پر امت مسلمہ فائز اور مامور ہے۔ کیونکہ ان میں وہ صفات ہیں جو امامت عادلہ کے لیے ضروری ہیں چنانچہ سورۃ النسآ میں ارشاد فرمایا **انّ اللـه یا مر کم ان تو دوّ االا منٰت الی اھلھا و اذا حکمتم بین النـاس ان تـحـکـم ا با لعدل** (مسلمانو اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے سپرد کر دو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو) (۱۵) یہاں امانت سے مراد مناصب ہیں سرداری اور پیشوائی ہے حقوق وفرائض ہیں اور یہ آیت اس بات کی متقاضی ہے کہ امت مسلمہ بحثیت امام اپنی ذمہ داریوں کو سمجھے اور انہیں ٹھیک ادا کرے اور اگر امانت داری اور انصاف کا طریقہ بظاہر اپنے فائدوں اور مصلحتوں کے خلاف نظر آئے تب بھی اسکو انصاف اور سچائی ہی کے طریقے پر قائم رہنا چاہیے۔ مولانا اصلاحی اس بارے میں رقمطراز ہیں "امانت کا لفظ نہایت وسیع مفہوم رکھتا ہے تمام حقوق وفرائض خواہ اللہ سے تعلق رکھتے ہوں یا حقوق العباد انفرادی نوعیت کے ہوں یا اجتماعی نوعیت کے اپنوں سے متعلق ہوں یا بیگانوں سے مالی معاہدات کی قسم سے ہوں یا سیاسی معاہدات کی قسم کے، صلح اور امن کے دور کے ہوں یا جنگ کے غرض جس نوعیت اور جس درجے کے حقوق وفرائض ہوں وہ سب امانت کے مفہوم میں داخل ہیں اور مسلمانوں کو شریعت اور اقتدار کی امانت سپرد کرنے کے بعد اجتماعی حیثیت سے پہلی ہدایت جو ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ تم جن حقوق و فرائض کے ذمہ دار بنائے جا رہے ہو انکو ٹھیک ٹھیک ادا کرنا (۱۶) لیکن امت مسلمہ جب زوال اور انحطاط کا شکار ہوتی ہے تو یہی امانتیں یعنی ذمہ داری کے مناصب، مذہبی پیشوائی اور قومی سرداری کے رتبے اور مرتبے ایسے لوگوں کو دینے شروع کر دیتی ہے جو نااہل کم ظرف بداخلاق بددیانت اور بدکار ہوتے ہیں اور اس وجہ سے امامت کے اختیارات کو غلط استعمال کرتے ہیں حقوق وفرائض میں مساوات کا لحاظ نہیں رکھتے اور اپنی ذمہ داریوں کو خلوص دل اور نیک نیتی سے پورا نہیں کرتے ذاتی مفادات کو قومی اور اسلامی مفادات پر ترجیح دیتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ برے لوگوں کی قیادت اور امامت میں ساری قوم ہی خراب ہوتی چلی جاتی ہے اور اس طرح معاشرہ میں فساد اور بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے اس لیے یہ اُمت مسلمہ کا فرض ہے کہ وہ انفرادی سطح پر اور قومی

سطح پر اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کا احساس کرے اور اُن غلطیوں سے بچے جو اُس کے پیش رو کر چکے ہیں۔

طلب دنیا

اُمت مسلمہ کے زوال اور خرابی کی ایک اہم وجہ یہ بھی ہے کہ وہ آخرت سے صرف نظر کر کے صرف دُنیا کی زندگی اسکی لذتوں اور راحتوں پر قانع ہوگئی ہے دنیا ہی ان کیلیئے سب کچھ بن گئی ہے اس نے دنیا کے عارضی اور قلیل منافع کو خدا اور اس کے دین کی محبت پر ترجیح دے رکھی ہے جسکا لازمی سبب زوال اور انحطاط ہی ہے ارشاد باری ہے:

ارضیتم با لحیوٰۃالدنیا من الٰخرۃ فما متا ع الحیوٰۃ الدنیا فی الأخرۃ الا قلیل :(کیا تم نے آخرت کے مقابلے میں دُنیا کی زندگی کو پسند کر لیا ہے اگر اایسا ہے تو تمہیں معلوم ہو کہ دنیاوی زندگی کا یہ سب سروسامان آخرت میں بہت تھوڑا نکلے گا (۱۷) مولانا مفتی محمد شفیع فرماتے ہیں: دین کے معاملے میں ہر کوتاہی، سستی اور غفلت اور تمام گناہوں اور جرائم کا اصلی سبب ہی دنیا کی محبت اور آخرت سے غفلت ہے اسی لیے حدیث رسول ﷺ کا ارشاد ہے: حب الدنیا راُس کل خطیئۃ: یعنی دنیا کی محبت ہر خطا وگناہ کی بنیاد ہے چنانچہ مولانا فرماتے ہیں کہ بڑی فکر آخرت کی دائمی زندگی کی ہو جو درحقیقت سارے امراض کا واحد اور مکمل علاج ہے (۱۸) لیکن آج اُمت مسلمہ کے دل ودماغ پر دنیا طلبی ودنیا پرستی چھائی ہوئی ہے وہ دنیا اور اُسکے مادی فوائد سے بالاتر کسی چیز کو سمجھتی ہی نہیں جسکا لازمی نتیجہ قرآن کے الفاظ میں یہ نکلتا ہے ترجمہ (جو لوگ بس اسی دنیا کی زندگی اور اسکی خوشنمائیوں کے طالب ہوتے ہیں انکی کارگزاری کا سارا پھل ہم یہیں انکو دے دیتے ہیں اور اسمیں انکے ساتھ کوئی کمی بیشی نہیں کی جاتی مگر آخرتمیں ایسے لوگوں کے لیے آگ کے سوا کچھ نہیں ہے (۱۹)

یقین محکم کی کمی:

آج اُمت مسلمہ غیروں کے بھروسے اور امداد پر یقین رکھتی ہے جو ممکن ہے کی ظاہری حالات میں تو موجب کامیابی نظر آتے ہوں مگر حقیقت میں خسران ہی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے: **فتوکل علی اللہ ان اللہ یحبُ المتوکلین ان ینصرکم اللہ فلا غالب لکمُ وان یُخذیکم فمن ذاالذی ینصرکم من بعدہِ وعلی اللہ فلیتوکل الموء منون**: ترجمہ (اللہ پر بھروسہ کرو اللہ کو وہ لوگ پسند ہیں جو اسی کے بھروسے پر کام کرتے ہیں اللہ تمہاری مدد کرے تو کوئی طاقت تُم پر غالب آنے والی نہیں اور وہ تمہیں چھوڑ دے تو اُس کے بعد کون ہے جو تمہاری مدد کرسکتا ہے پس جو سچے مومن ہیں ان کو اللہ پر ہی بھروسہ کرنا چاہیے) (۲۰)

آیت بالا اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ اللہ پر کامل یقین اور بھروسہ رکھنے والے ہی کامیاب رہتے ہیں اور اس کی مدد اور نُصرت ہی میں فلاح اور عروج ہے اور اگر اللہ کی مدد اور حمائت چھن جائے تو کوئی ایسی طاقت ہے ہی نہیں جسکے بل بوتے پر کامیابی، نفع اور فلاح حاصل ہو جائے۔ لیکن یہ حقیقت بھی ذہن نشین رہنی چاہیے کہ توکل صرف اور صرف اللہ پر بھروسہ کر کے ہاتھ پاؤں باندھ کر بیٹھے رہنے کا نام نہیں ہے بلکہ اپنے طور پر تمام وسائل بروئے کار لاتے ہوئے مسائل سے نجات اور منزل تک پہنچنے کی سعی کرنی چاہیے اور ساتھ ہی ربِ حکیم وعظیم سے نُصرت اور حمائت کی استدعا بھی کرنی چاہیے، اس بارے میں سید صفدر حسین نجفی فرماتے ہیں ,,زیرنظر آیت کہتی ہے کہ پُختہ ارادہ کرتے ہوئے خُدا پر توکل کرنا چاہیے عمومی وسائل اور اسباب فراہم ہونے کے بعد بھی خُدا کی لامتناہی قُدرت سے مدد طلب کرنا فراموش نہ کیا جائے کیونکہ توکل کا مطلب یہ نہیں کہ انسان مادی دنیا میں خُدا کے عطا کردہ اسباب وسائل کو کام میں نہ لائے خُدا تعالی مومنین کی حمائت یا عدم حمائت بلا وجہ نہیں کرتا بلکہ انکی اہلیت کے مُطابق کرتا ہے جو خُدا کے حکم کو پاؤں تلے روندتے ہیں اور مادی اور روحانی توانائیاں فراہم کرنے سے غافل رہتے ہیں خُدا کی مدد اور حمائت اُن کے لیے نہیں ہوتی مگر جو لوگ صف بستہ خالص نیت اور عزم راسخ سے اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں تمام ممکنہ وسائل بھی دُشمن کے مقابلے میں فراہم کرتے ہیں انہی کے سر پر خُدا کا دست حمائت ہوتا ہے (۲۱) لیکن بدقسمتی کہ آج اُمت مسلمہ اس یقین اور بھروسے سے خالی ہے ظاہری حالات اور اسباب پر بھروسہ رکھتی ہے حالانکہ قُرآن کی ابتداء ہی ایمان بالغیبکے نظریے پر ہے، علامہ اقبالؒ بڑے خوبصورت انداز میں اسکی تعریف کرتے ہیں

یقین محکم عمل پیہم محبت فاتح عالم
جہاد زندگانی میں یہ ہیں مردوں کی شمشیریں (۲۲)

دشمنوں سے دوستی

اُمت مسلمہ اور بالخصوص اسکے حکمران دوست اور دشمن کی پہچان سے عاری ہیں انکی دوستی کا معیار اور پیمانہ شان وشوکت اور زر و جواہر ہیں نہ کہ اسلام اور ایمان۔ مسلم ممالک یہودیوں کیساتھ پینگیں بڑھا رہے ہیں انہیں ہی اپنا حامی و ناصر سمجھتے ہیں انکی دوستی پر فخر کرتے ہیں اور سیاسی، عمرانی، معاشی اور تمدنی اعتبار سے انہیں اعلٰی سمجھتے ہوئے انکی تقلید کرنا فخر سمجھتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تبارک وتعالٰی کا واضح ارشاد ہے۔

و منهم من ان تامنه بدينار لايو دهٓ اليک الاما دمت عليه قآئما ط ذالک بانهم قالوا ليس علينا فی الامیّن سبيل : ترجمہ: (یہودیوں میں) کسی کا حال یہ ہے کہ اگر تم ایک دینار کے معاملہ پر

بھی ان پر بھروسہ کروتو وہ ادانہ کرے گا ہاں یہ ہے کہ تم اسکے سر پر سوار ہو جاؤ یہ اس وجہ سے ہے کہ وہ کہتے ہیں اُمیوں (غیر یہودی) لوگوں کے معاملہ میں ہم پر کوئی مواخذہ نہیں ہے (۲۳)۔

سید مودودی یہودیوں کے اس نقطہ نظر کی وضاحت اور تاریخی شکل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں یہ محض یہودی عوام ہی کا جاہلانہ خیال نہ تھا بلکہ ان کے ہاں کی مذہبی تعلیم ہی کچھ ایسی تھی اور اُنکے بڑے بڑے مذہبی پیشواؤں کے فقہی احکام ایسے ہی تھے بائبل قرض اور سود کے احکام میں اسرائیلی اور غیر اسرائیلی کے درمیان صاف تفریق کرتی ہے۔تلمود میں کہا گیا ہے کہ اگر اسرائیلی کا بیل کسی غیر اسرائیلی کے بیل کو زخمی کردے تو اس پر کوئی تاوان نہیں لیکن اگر غیر اسرائیلی کا بیل اسرائیلی بیل کو زخمی کردے تو اس پر تاوان ہے اگر کسی شخص کو کسی جگہ کوئی گری پڑی چیز ملے تو اسے دیکھنا چاہیے کہ اردگرد آبادی کن لوگوں کی ہے اگر اسرائیلیوں کی ہو تو اسے اعلان کرنا چاہیے غیر اسرائیلیوں کی ہو تو اسے بلا اعلان وہ چیز رکھ لینی چاہیے اگر اُمی اور اسرائیلی کا مقدمہ قاضی کے پاس آئے تو قاضی اگر اسرائیلی قانون کے مطابق اپنے مذہبی بھائی کو جتوا سکتا ہو تو اُسکے مطابق جتوائے اور کہے کہ یہ ہمارا قانون ہے اور اگر اُمیوں کے قانون کے تحت کامیاب کرا سکتا ہو تو ایسا ہی کرے اور کہے کہ تمہارا قانون ہے اور اگر دونوں قانون ساتھ نہ دیتے ہوں تو پھر جس حیلے سے بھی وہ اسرائیلی کو کامیاب کرسکتا ہو تو کرے، غیر اسرائیلی کی ہر غلطی سے فائدہ اُٹھانا چاہیے (۲۴)۔سید صاحب کے اس نقشے کو درج ذیل آیت مبارکہ بالکل واضح کر دیتی ہے۔

یاایھاالذین اٰمنوا لاتتّخذوا بطانته مّن دُونکم لا یالونکم خبالاً ودّوا ما عنتّم قد بدت البغضآء من افواھھم وما تُخفی صدورھم اکبر قد بیّنا لکم الایٰت ان کُنتم تعقلون۔

ترجمہ: اے ایمان والو: اپنی جماعت کے لوگوں کے سوا دوسروں کو اپنا راز دار نہ بناؤ وہ تمہاری خرابی کے کسی موقع سے فائدہ اُٹھانے میں نہیں چوکتے تمہیں جس چیز سے نقصان پہنچے وہی اُن کو محبوب ہے اُنکے دل کا بغض اُنکے منہ سے نکلا پڑتا ہے اور جو کچھ وہ اپنے سینوں میں چھپائے ہوئے ہیں وہ اس سے بھی شدید تر ہے ہم نے تمہیں صاف صاف ہدایات دے دی ہیں اگر تم عقل رکھتے ہو (تو ان سے تعلق رکھنے میں احتیاط برتو گے) (۲۵)۔

درج بالا ہدایات کو اگر تقابل کے نظریے سے دیکھیں تو ایک حقیقت واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ یہود و نصاریٰ نہ صرف اپنے مذہبی عقائد واحکامات کو مانتے ہیں بلکہ عملی شکل میں اُن کے نفاذ کیلیئے بھرپور جدوجہد بھی کرتے ہیں۔اس بات کی دلیل کیلیئے فلسطین اسرائیل تنازعہ حجت کی حیثیت رکھتا ہے جبکہ افغانستان کے خلاف بھی یہود و نصاریٰ کی کاروائیاں درج بالا آیات مبارکہ اور اسکی تفسیر کی صداقت پر دال ھیں۔دوسری

طرف اُمت مسلمہ اپنے پاس سچا اور آفاقی نظام اور قانون رکھنے کے باوجود انتشار کا شکار ہے اسکے حکمران اپنی اور اپنی نسل کی بقاء کیلئے اسلامی اقدار، روایات اور احکامات تھوڑی تھوڑی قیمتوں پر بیچ رہے ہیں۔ رفاقت کی بجائے رقابت، رازداری کی بجائے جاسوسی، مواخات کی بجائے تفریق اور اعانت کی بجائے اہانت کی شاہراہوں پر گامزن ہیں جس کا نتیجہ یقینی طور پر کامیابی نہیں ناکامی ہے فتح نہیں شکست ہے اور عروج نہیں زوال ہے۔

اثرات ونتائج

تاریخ عالم کا یہ واقعہ کس قدر حیرت انگیز ہے کہ ایک زمانے میں مسلمانوں نے نہایت محیر العقول طریقہ پر ترقی کی، اور اپنے کارناموں کا نقش صفحۂ تاریخ پر اس طرح ثبت کیا کہ دنیا کی دوسری قومیں ان کی عظمت و برتری کے سامنے سر اطاعت خم کردینے پر مجبور ہو گئیں۔ محبت، احترام، اخلاص اور عمل کی ایسی لازوال داستانیں قائم کیں، جو رہتی دنیا تک بے نظیر و بے مثال ہیں۔ زرا تصور کریں کہ ایک شخص پھانسی کے پھندے پر کھڑا ہے، اسے کہا گیا کہ بس اتنا کہہ دو کہ تمہاری جگہ محمد ﷺ ہوتے، تو عاشق رسول نے کہا کہ خُدا کی قسم: میں تو اس کو بھی پسند نہ کروں کہ آپ ﷺ کے پاؤں میں کانٹا چبھے، اور میں چھوڑ دیا جاؤں (۲۶)۔ یہی وہ پیار، اخلاص اور اتباع تھی جسکی بناء پر عروہ بن مسعود ثقفی نے صلح حُدیبیہ سے واپسی پر اپنے ساتھیوں سے کہا تھا کہ "اے لوگو! بخدا میں نے قیصرو کسریٰ اور نجاشی جیسے سلاطین اور ان کے دربار بھی دیکھے، پر ایسا بادشاہ نہ دیکھا، جس کے ساتھی اس کی اتنی توقیر کرتے ہوں، جتنی محمد ﷺ کے ساتھی اُنکی کرتے ہیں، یہ ایسے اصحاب ہیں جو محمد ﷺ کی تھوک کو بھی گرنے نہیں دیتے، بلکہ اپنے جسموں پر مَل لیتے ہیں، آپ ﷺ کے حکم پر لبیک کہا جاتا ہے، آپ کے وضو والے پانی کو حاصل کرنے پر لڑا جاتا ہے، اور جب آپ ﷺ بات کرتے ہیں تو یہ اصحاب ادب و احترام میں نہ ہی اپنی گردنیں اور نہ ہی آواز اونچی کرتے ہیں (۲۷) مولانا ندوی نے کیا خوبصورت کہا ہے کہ "وہ عمرؓ جو اپنے باپ کی بکریاں چرایا کرتے تھے، جنہیں قریش میں ایک متوسط شخص سمجھ کر کوئی غیر معمولی اہمیت نہ دی جاتی تھی، وہی عمر اُٹھے اور نہ صرف قیصرو کسریٰ کو تخت وتاج سے محروم کردیا، بلکہ تمام عالم کو اپنی عظمت وصلاحیت سے متحیر کردیا" (۲۸) اب وہی مسلمان ہیں جن پر فلاکت وادبار مسلط ہے، ان کا شیرازۂ ملی پراگندہ ہے، اب انکی محفلوں میں علم وفن کے مذاکرے بہت کم ہوتے ہیں، دماغ قوت ابداع اور اختراع سے محروم اور ہاتھ سیاسی طاقت وقوت کی عنان سے ناآشنائے محض ہیں، مردم شماری کے لحاظ سے اتنے مسلمان کبھی نہیں تھے جتنے کہ اب ہیں، مگر ساتھ ہی علم وعمل، ایمان وایقان اور روحانیت واخلاق کے لحاظ سے جتنے پست اور زبوں حال اب ہیں

اتنے کبھی نہیں تھے،موجودہ حالات میں مسلمانوں پر مسلسل فتنوں کے طوفان اور تمام شعبہ ہائے زندگی میں علمی ،عملی ، اخلاقی ، معاشرتی ، سیاسی اور مذہبی رویوں میں تبدیلی کی وجہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چودہ صدیاں قبل کے اسلامی تعلیمات سے روشناس مسلمان سے آج کے مسلمان کا کوئی رشتہ ہی نہیں ہے ۔ان حالات میں کرنے کا سب سے بنیادی کام سید قطب شہیدؒ نے بتایا ہے کہ'' عصر حاضر کی اہم ترین ضرورت یہ ہے کہ مسلمانوں میں خوداعتمادی پیدا کی جائے ،ان میں ماضی پر اعتماد، مستقبل کے بارہ میں امیداور حوصلہ پیدا ہو،اس دین پر ان کا ایمان و یقین تازہ اور زندہ ہوجائے ،جس کا نام تو وہ لیتے ہیں،لیکن اس کی حقیقت سے نا آشنا ہیں،ان کا تعلق اس دین سے زیادہ تر نسلی اور موروثی ہے،اور انھوں نے اس بہت کم سمجھنے کی کوشش کی ہے(۲۹)۔

عروج وزوال کے درج بالا حقائق سے واضح ہوتا ہے کہ جب تک مسلمان اسلام کے قوانین فطری پر عمل پیرا رہے وہ برابر ترقی کرتے رہےلیکن جب اُن میں اسلامی روح مضمحل ہونے لگی تو اُن میں تنزّل بھی پیدا ہونا شروع ہوگیا، چنانچہ تاریخ کا سبق اور وقت کا تقاضہ یہی ہے کہ اُمت مسلمہ انفرادی اوراجتماعی دونوں طریقوں سے اصلاح نفس کرے ،تاریخ جغرافیہ، زبان ، رنگ ونسل اور ثقافت کی مختلف دنیاؤں کا خاتمہ کر کے وحدت کے اس رشتے کو ترتیب دے جس میں خواہشات اور نصب العین ایک ہو،مغربی تہذیب اور معاشرت کواپنا کر خودکو ماڈرن کہلوانے کی بجائے اسلامی اقدار اور روایات اپنا کر مومن کہلانے پر فخر کرے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کی گئی انمول رسی کواسطرح مضبوطی سے پکڑے کہ عروج کی منزل ہی مقدر ٹھہرے۔

حوالہ جات وحواشی

۱:البقرہ:۲۶　　۲:البقرہ:۱۴۳　　۳:ال عمران:۱۴۰

۴:سید قطب شہید:فی ظلال القرآن:مترجمہ:سید معروف شاہ شیرازی، لاہور:ادارہ منشورات اسلامی،اپریل ۱۹۹۷ ج نمبر ا ص ۳۶ ۷　　۵:البقرہ:۱۵۵

۶:سید قطب شہید:فی ظلال القرآن:مترجمہ:سید معروف شاہ شیرازی، لاہور:ادارہ منشورات اسلامی،اپریل ۱۹۹۷ ج نمبر ا ص ۲۱۶　　۷:انعام:۱۶۵

۸:ال عمران:۱۵۴　　۹:البقرہ:۲۱۴　　۱۰:المائدہ:۱۶

۱۱:ابواعلیٰ مودودی:تفہیم القرآن:لاہور: مکتبہ تعمیر انسانیت: جنوری ۱۹۷۳ ج نمبر ا ص نمبر ۴۵۶

۱۲:ال عمران:۱۰۴

۱۳: وحیدالدین مولانا: تزکیر القرآن کراچی، فضلی سنز لمیٹیڈ۔ سن ندارد ج نمبر ا ص نمبر ۱۵۲ا

۱۴: ال عمران: ۱۱۰　　　۱۵: النسآء: ۵۸

۱۶: اصلاحی امین احسن: تدبر قرآن، لاہور، فاران فاونڈیشن، دسمبر ۱۹۸۸ ج نمبر ۲ ص نمبر ۳۲۲

۱۷: توبہ: ۳۸

۱۸: مفتی محمد شفیع: معارف القرآن۔ کراچی، ادارہ المعارف: اپریل ۱۹۷۱ ج نمبر ۴ ص نمبر ۳۷۸

۱۹: ھود: ۱۶

۲۰: ال عمران: ۱۶۰

۲۱: ناصر مکارم شیرازی، تفسیر نمونہ۔ مترجمہ سید صفدر حسین نجفی، لاہور جامعہ المنتظر: ۱۴۰۶ھ ج ۳ ص ۱۱۶، ۱۱۷

۲۲: علامہ اقبال، کلیات اقبال، لاہور

۲۳: ال عمران: ۵۷

۲۴: ابواعلیٰ مودودی: تفہیم القرآن: لاہور: مکتبہ تعمیر انسانیت: جنوری ۱۹۷۳ ج نمبر ا ص نمبر ۲۶۶

۲۵: ال عمران: ۱۱۸

۲۶: ابن کثیر: ابوالفدا اء محمد بن اسماعیل، البدایہ والنہایہ، کراچی، ۱۹۹۲، ج ۴ ص ۶۳

۲۷: ابن قیم، ابی عبداللہ محمد، ذادالمعاد فی ھدی خیر العباد، نفیس اکیڈمی، کراچی، ۱۹۹۰، ج ۲، ص ۶۵۷

۲۸: ندوی: ابوالحسن علی، سید، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، مجلس نشریات اسلام، کراچی، ۱۹۹۲، ص ۱۲۷

۲۹: سید قطب شہید: مقدمہ، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، مصنف سید ابوالحسن علی ندوی: مجلس نشریات اسلام، کراچی، ۱۹۹۲، ص ۲۳

☆☆☆☆☆